عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ / اکتوبر 2006ء

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: ۲

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: مکان نمبر۔۱۲-P ، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

جناب سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ کی وفاتِ حسرت آیات (پہلی قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

جناب سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ تقریباً تین سال کی طویل بیماری کے بعد بروز اتوار ۸ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ (یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء) کو اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے گھر کی طرف رحلت فرما گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے اپنے خاندان کے علاوہ سینکڑوں مریدوں اور ہزاروں دوستوں کو سوگوار چھوڑ دیا۔

شاہ صاحبؒ شکر درہ کے مشہور سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جناب پیر معصوم شاہ صاحب کے صاحبزادے تھے۔ معصوم شاہ صاحب پاکستان کے شروع دور میں صوبہ سرحد کے اطلاعات ونشریات کے وزیر رہ چکے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ سرحد کے بہت ماہر قانون دان تھے۔ مسرت صاحبؒ پشاور یونیورسٹی سے ایم۔ اے انگلش کر کے صوبہ سرحد کے مشہور تعلیمی ادارے اسلامیہ کالج پشاور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ وہیں بعد میں پرنسپل ہوئے۔ کچھ عرصہ پشاور یونیورسٹی کے ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن اور وائس چانسلر سیکرِ ٹیریٹ کے نگران رہے۔ موصوف مولانا الیاسؒ کی تبلیغی تحریک کے عظیم کارکن رہے۔ تصوف کے سلاسل میں ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ نقشبندی سے بیعت ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ سے وابستہ ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ دونوں حضرات کے سلسلہ میں صاحبِ خلافت ہوئے۔

بندہ کی اُن سے پہلی دفعہ نومبر یا دسمبر ۱۹۷۰ء میں ملاقات ہوئی جبکہ بندہ خیبر میڈیکل کالج پشاور میں سالِ چہارم کا طالبِ علم تھا۔ بندہ پشاور یونیورسٹی کے ہاسٹل نمبر ۲ میں رہائش پذیر تھا اور تبلیغی تحریک کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے ہاسٹل نمبر ۲ کا امیر تھا۔ عصر کی نماز پڑھا کر بندہ نے سلام

پھیرا اور حسبِ معمول دعا کے بعد تبلیغی دوستوں سے خطاب کرنے لگا ساتھیوں میں ایک نئے طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ پوری طرح باشرع، بہت خوبصورت، انتہائی معصوم، سر پر سفید پگڑی باندھے ہوئے، شیروانی زیبِ تن کئے ہوئے اور ہندوستان کے طریقے کے مطابق جودھ پوری تنگ پائجامہ پہنے ہوئے، ایسے وجیہہ (Smart) لگ رہے تھے کہ یونیورسٹی کے سارے تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے نوجوانوں کا حُسن ان پر قربان ہو رہا تھا۔ ہر ایک آدمی کا اُن سے تعارف کرنے اور باتیں کرنے کے لئے جی چاہ رہا تھا۔ بندہ نے بات چیت شروع کی تو اُن کی باتوں میں اُن کی شخصیت سے بھی بڑھ کر کشش، معصومیت اور متانت تھی۔ تعارف سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کو اُن کے والد صاحب نے بیرسٹری کے لئے برطانیہ بھیجا تھا۔ وہاں لِنکن اِن کے مشہور ادارے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس سے علامہ اقبال مرحوم اور قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم نے قانون کی ڈگریاں لیں۔ شاہ صاحب وہاں ڈیڑھ سال زیرِ تعلیم رہے اس دوران تبلیغی جماعت سے متعارف ہوئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ ڈیڑھ سال زیرِ تعلیم رہنے کے بعد اُنہوں نے اسے ترک کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وطن واپس آ گئے۔

اس واپسی کی وجہ اُنہوں نے ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ کی فکر بتائی۔ ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ سے جناب پیر معصوم شاہ صاحب کا بیعت کا تعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا آخری عمر میں قیام اُن ہی کے گھر پر رہا۔ ڈاکٹر صاحبؒ مسرت حسین شاہ صاحبؒ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اُن کی توجہ کا نتیجہ تھا کہ کسی لادینی ماحول سے آپ متاثر نہیں ہوئے۔ آپ نے میٹرک کیڈٹ کالج حسن ابدال سے کیا اور بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور جیسے ماڈرن ادارے سے کیا لیکن بالغ ہوتے ہی پہلے دن سے جو باشرع زندگی شروع کی تو اُسے کبھی ترک نہیں کیا۔ اس لئے فرماتے تھے کہ میں نے کبھی داڑھی نہیں منڈائی۔

اپنے پہلے شیخ ڈاکٹر محمد صاحبؒ کا تذکرہ بہت ذوق وشوق سے سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوہاٹ کے ایک تبلیغی دوست اپنے بیٹے کے بارے میں بہت متفکر تھے کیونکہ ان کے بیٹے نے کمیونسٹ ترتیب اختیار کرلی تھی اور صوبہ سرحد میں مزدور کسان پارٹی کے نام سے ایک پارٹی بنالی تھی۔ (اس پارٹی نے بھٹو دور میں خوانین سے جبری زمینیں قبضہ کرنے کے لئے کسانوں سے بہت کُشت وخون کروایا)۔ وہ تبلیغی ساتھی ڈاکٹر

محمد امیر صاحبؒ کو لے کر پشاور کی عدالتوں میں آئے تا کہ اپنے بیٹے افضل بنگش سے ان کی ملاقات کروائیں ، ہوسکتا ہے ڈاکٹر صاحبؒ کی مسیحا اثر شخصیت سے ان کے بیٹے کی کایا پلٹ جائے۔ان کا بیٹا ملا نہیں۔ بیٹے کو ڈھونڈنے کے دوران انہوں نے ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ کو پیر معصوم شاہ صاحب کے پاس انتظار کے لیے بٹھا دیا۔ بٹھانا کیا تھا کہ حق بہ حقدار رسید والی بات ہوگئی۔ افضل بنگش تو ملا نہیں ، پیر معصوم شاہ صاحب کے ساتھ ڈاکٹر صاحبؒ کا ایسا تعارف ہوا کہ یہ تعارف عمر بھر کے لیے ہوگیا۔ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ حیوانات کے ڈاکٹر تھے اور قادیانی مذہب پر تھے۔ایک بزرگ پیر کابلی نقشبندیؒ ہوا کرتے تھے،اچانک ایک دفعہ ساہیوال ریلوے اسٹیشن پر پیر کابلی صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی۔ پیر کابلی صاحبؒ ایک نگاہ ان پر ڈال کر غائب ہو گئے،لیکن ڈاکٹر صاحبؒ کو بے قرار کردیا، جب ڈھونڈنے سے اسٹیشن پر نہیں ملے تو ٹکٹ اور سفر چھوڑ کر ڈاکٹر صاحبؒ ان کی تلاش میں شہر کی طرف نکل گئے۔ایک مسجد میں بیٹھے ملے۔ ملتے ہی پیر کابلی صاحبؒ نے پوچھا۔''کس سے تعلق ہے؟'' ڈاکٹر صاحبؒ،''غلام احمد قادیانی سے''۔ پیر کابلی صاحبؒ،''وہ تو کافر ہے''۔ڈاکٹر صاحبؒ،''تو پھر؟'' پیر کابلی صاحبؒ''تو پھر آپ مسلمان ہو جائیں۔'' ڈاکٹر صاحبؒ فوراً مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو کر بیعت ہو گئے۔

؎ دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یہ پیر کابلی صاحبؒ کی شخصیت کی نورانیت تھی اور نگاہ کی تاثیر تھی کہ بغیر دلائل اور مناظرے کے ایک پڑھے لکھے آدمی کی کایا پلٹ دی۔

؎ ان کی نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب جستجو، عشق حضور اضطراب

ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ سلسلہ کے پہلے سبق جب مکمل ہوتے تھے تو غیبی طریقے سے کسی اسٹیشن پر پیر صاحب سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پیر صاحبؒ توجہ دے کر اگلے اسباق بتا کر رخصت ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی ڈاکٹر صاحبؒ ولی کامل اور شیخ محقق بن گئے۔

مسرت حسین شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کی چاہت نہیں تھی کہ میں انگلینڈ چلا

جاؤں۔نو عمر تھا انگلینڈ جانے سے پہلے آخری دنوں میں ایک دن ڈاکٹر صاحبؒ نے کہا کہ ایک بزرگ تھے ان پر تعلق مع اللہ کی ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اس حال میں ان کا دل چاہا کہ ان کے ایک خاص مرید پاس آئیں تا کہ ان کو کامل کر کے خلافت دے دیں۔انہوں نے آواز دی وہ موجود نہیں تھے۔دوسرے مرید نے جواب دیا کہ میں حاضر ہوں۔اسے ہی بلا لیا اور اس مخصوص حالت میں اس پر توجہ ہوگئی اور وہی نگاہ کے سامنے آگیا، چنانچہ کامل ہو گیا۔اس واقعے میں دراصل ڈاکٹر صاحبؒ نے تکمیل اور خلافت کی نشاندہی کر دی تھی لیکن اس کے لئے پشاور میں رکنا ضروری تھا۔خیر انگلینڈ جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحبؒ نے حسرت سے رخصت کیا اور آخری وصیت کے طور پر کہا کہ وہاں تبلیغ والے حضرات کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا۔ڈاکٹر صاحبؒ کی تو وفات ہوگئی لیکن ڈاکٹر صاحبؒ کی چاہت یوں پوری ہوئی کہ شاہ صاحبؒ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو کر ڈاکٹر صاحبؒ کے محبوب دوست حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے دامن میں پہنچ گئے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۵ سے آگے)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے استغنا کو یاد کر کے ڈرے کہ شاید یہ کمال ...... جو محض عطیۂ خداوندی ہے...... سلب ہو جائے۔

۳۔ صلاحِ کار کا اعلیٰ درجہ جو مطلوب ہے پیش نظر رکھے اور پھر غور کر کے اپنی برائیوں، عیبوں اور ظاہری اور باطنی لغزشوں پر عجب کے وقت نظر کیا کرے۔اس سے اپنی نسبت بزرگی اور کمال کا گمان نہ ہوگا۔

اگر مدح سے نفس خوش ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مدح کرنے والے جس امر کی مدح کر رہے ہیں نہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں اور نہ میرے دوسرے عیوب سے۔مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں جو ان کی تو خوبی ہے مگر میرے لیے حجت نہیں۔

(بحوالہ: اغلاط العوام والخواص از حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

☆☆☆☆☆☆☆

اویس کی والدہ کی نظم اویس کی یاد میں

(محترمہ زاہدہ شاہین، بالاکوٹ)

آٹھ اکتوبر کا دن پھر آیا۔ اور رمضان میں اسی تاریخ کو گزشتہ سال ۱۴۲۶ھ بمطابق ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء بالاکوٹ، مظفرآباد، بٹل اور الائی میں قیامتِ صغریٰ برپا ہوئی اور ایک لاکھ سے زیادہ افراد آنِ واحد میں زلزلہ سے موت کی آغوش میں چلے گئے۔

ہر کسی کو اپنے شہداء سے وابستگی تھی اور یادیں ستاتی تھیں۔ زیرِ نظر نظم جناب مولانا حافظ قاضی اویس خلیل صاحب بالاکوٹ کی یاد میں ان کی والدہ صاحبہ نے لکھی ہے۔ محترمہ زاہدہ شاہین نے کبھی شاعری نہیں کی لیکن بیٹے کی موت کا ایسا زخم لگا کہ زخمِ جگر اشعار کی شکل میں پھوٹ پڑا۔ اویس صاحب عالم، حافظ اور دینِ حق کے عظیم حمایتی اور داعی تھے۔ تراویح میں قرآن سنالیا تھا اور اسی دن ان کی عمرہ کی پرواز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت سے سرفراز کرکے اپنے پاس بلالیا۔ (ادارہ)

تمھارے جاتے ہی گلشن اُجڑ گیا سارا
اُٹھا کے ہم کو فلک نے زمیں پہ دے مارا

تیرے وہ درس ہیں ویران سب کے سب آخر
جنہیں کہ خونِ جگر دے کے تو نے تھا پالا

تیرا وجود غنیمت رہا زمانے میں
دیا تھا موڑ کبھی تو نے وقت کا دھارا

گلہ کسی سے نہیں ہم کو موت پر سب کی
کہ جس کے ہاتھ نے توڑا نصیب کا تارا

رہا نہ شاخِ تمنا پہ آشیاں کوئی
کچھ اس طرح سے چلا ہم پہ موت کا آرا

☆☆☆☆☆☆☆

حالتِ نزع (ساتویں قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

شعبۂ حادثات میں ایک دن ایکسیڈنٹ میں زخمی بچہ لایا گیا۔ لانے والا اُس کا والد تھا اور بھی چند لوگ ہمراہ تھے۔ بچے کی حالت کافی خطرناک تھی۔ اُس کا پیٹ چاک تھا اور آنتیں باہر تھیں۔ وہ تکلیف کی وجہ سے کراہ رہا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ بچے کی آنکھیں اپنے والد صاحب پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اُس کا والد اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کبھی مجھے اور کبھی بچے کو دیکھتے۔ میں نے سرجن کو کال بھیجی کہ اس کیس میں میری مدد کرے۔ خون کا بندوبست کرنے کے ساتھ جو علاج ممکن ہوسکتا تھا وہ ہم نے شروع کر دیا۔ چاک شدہ پیٹ، جس میں آنتیں باہر ہوں اور زخمی بھی ہوں، کا دوبارہ اپنی حالت میں ٹھیک ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ کچھ دیر بعد میں پھر بچے کے پاس آیا۔ اب اُس کے چہرے کی حالت بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ کرب کے اثرات نہیں تھے اور چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھیں اردگرد کے ماحول سے آہستہ آہستہ ناآشنا ہو رہی تھیں۔ میں نے اُس کے والد سے کہا کہ دیکھو بچہ پہلے سے بہتر ہے آپ تسلی رکھیں لیکن اُس کا جواب کچھ اور ہی تھا۔ کہنے لگا ڈاکٹر صاحب کبھی چاک شدہ پیٹ کا مریض جس کی آنتیں باہر ہوں ٹھیک ہوسکتا ہے۔ یہ بچہ ہے، معصوم ہے، گناہوں سے پاک ہے، آخری وقت کی مسکراہٹ اس کے دنیا سے رخصت ہونے کا پتا دے رہی ہے۔ یہ اب ہم سے رخصت ہونے والا ہے۔ اس دوران بچہ کی سانس آہستہ آہستہ مدہم ہو رہی تھی۔ میں نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی بہت ہلکی ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد بچے نے آخری ہچکی لی اور دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کے والد صاحب کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ میں نے اُس کو تسلی دی کہ یہ بچہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جنت میں پہنچا دیا ہے آپ صبر کریں۔ اُس نے کہا میں تو صبر کرلوں گا پر اِس کی والدہ اِس کی یہ حالت نہیں دیکھ سکے گی۔ یہ تو خوشی خوشی والدہ سے رخصت ہوا تھا۔ میں نے دل میں سوچا اُس نے بات ٹھیک کی ہے۔ یہ اپنے والدین کے گھر سے تو صبح خوشی سے نکلا تھا پر اِس دنیا سے اُس سے زیادہ خوشی کے ساتھ رخصت ہوا۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو

دنیا سے ہنستے ہوئے جاتے ہیں۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم ❊ چوں مرگ آید تبسم برلبِ اُوست

ایک عورت تیز بخار کی حالت میں ہسپتال میں داخلہ کے لئے لائی گئی۔ اُس کی عمر ۴۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ جو لیبارٹری ٹیسٹ ممکن تھے وہ بھیج دیے گئے۔ کچھ ضروری علاج شروع ہو گیا۔ چہرے پر رونق تھی۔ راؤنڈ کے درمیان پردہ کا اہتمام کرتی تھی۔ ایک صبح کو نرس میرے پاس آئی کہ آئیں اس بیمار کی حالت ٹھیک نہیں ہے، اس پر دورہ پڑ رہا ہے۔ میں اُس کے پاس گیا تو اُس کا دایاں بازو مڑا ہوتھا، منہ کا زاویہ دوسری طرف تھا، منہ سے ہلکی سی جھاگ نکل رہی تھی، ماتھے پر پسینہ تھا، آنکھیں ایک طرف جھکی ہوئی تھیں۔ میں نرس کو کچھ انجکشن لگانے کو کہا ابھی انجکشن لگے نہیں تھے کہ اُس کی حالت بگڑ گئی، ہاتھ پاؤں سیدھے ہو گئے، آنکھیں ایک جگہ ٹھہر گئیں، دل جو مدتوں سے چل رہا تھا آہستہ آہستہ تھم گیا۔ آخری سانس اُس نے زور سے کھینچا اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ ساتھ والی عورت کہنے لگی کہ ڈاکٹر صاحب اس عورت پر اللہ رحم کرے بڑی متقی عورت تھی۔ ابھی ہمارے ساتھ باتیں کرنے کے دوران کہنے لگی کہ میرے سر کی چادر ٹھیک کرو، پھر کلمہ پڑھنے لگی اور ایک طرف کو عجیب نظروں سے دیکھنے کے بعد یہ حالت ہوئی جو آپ کے سامنے ہے۔ مبارک ہے یہ عورت جس کو آخر میں کلمہ نصیب ہوا۔ سر پر چادر کی درستگی شاید فرشتوں سے بھی حیا کی وجہ سے کی ہوگی۔

ایک ایمرجنسی کی رات ہمارے وارڈ میں بہت رش تھا۔ مریض کافی داخل ہو چکے تھے اور وارڈ میں موجود بستروں کے علاوہ مریضوں کے لئے اضافی بستر لگا دئے تھے۔ کاؤنٹر کے ساتھ سائیڈ روم سے ایک مریض کا رشتہ دار میرے پاس آیا کہ مریض بہت پانی مانگ رہا ہے۔ بار بار کے پانی مانگنے سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ اسے کوئی ڈرِپ لگا دیں تا کہ اُس کے پانی کی کمی پوری ہو جائے اور میری رات اچھی گزر جائے۔ اُس مریض کے متعلق مجھے معلوم تھا کہ اُس کی بیماری ایسی نہیں کہ اُس کو ڈرِپ کی ضرورت ہو۔ بہر حال میں اُس کو دیکھنے گیا، اُس میں پانی کی کمی کے کوئی اثرات نہیں تھے، پیٹ تھوڑا پھولا ہوا تھا جس کی وجہ اُس کی اپنی بیماری تھی یعنی جگر کی کمزوری کی وجہ سے پیٹ میں پانی تھا۔ اُس کے پانی مانگنے کی صدا ایسی تھی جیسے بہت پیاسا ہو۔ میں نے نرس سے کہہ کر اُس کو ڈرپ

لگا دی۔ اُس کے رشتہ دار سے میں نے مریض کی ذاتی زندگی کے متعلق دریافت کیا کہ مسجد کے ساتھ اُس کا تعلق کیسا تھا۔ اُس کا جواب نفی میں تھا۔ مجھے حدیث شریف یاد آئی کہ بے نمازی آدمی پیاسا مرتا ہے، اگر اُس کو سمندر بھی پلا دیا جائے تو اُس کی پیاس نہیں بجھتی۔ میں نے مریض کو تسلی دی اور رشتہ دار کو بھی سمجھا دیا کہ اللہ خیر کرے گا۔

صبح جب میں وارڈ گیا تو اُس کے کمرے میں دوسرا مریض پڑا ہوا تھا۔ میں نے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے معلومات کیں تو اُس نے بتایا کہ وہ رات کو فوت ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر نے مزید بتایا کہ مرنے سے پہلے وہ بڑا بے چین تھا، بستر سے کبھی اُٹھتا کبھی بیٹھتا، دو آدمی اُس کو پکڑتے، اِسی بے چینی میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ اللہ اُس کی منزلیں آسان کرے۔ ہم اِس سے زیادہ غفلت کا شکار ہیں۔

ایک دفعہ میری ڈیوٹی انتہائی نگہداشت کے وارڈ (I.C.U.) میں تھی۔ میں چارج لینے کے لئے جب وارڈ میں داخل ہوا تو ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے بتایا کہ گزری رات میں سب بیمار صاف ہو گئے ہیں۔ آپ کے آنے سے پہلے عزرائیلؑ راؤنڈ کر گئے ہیں۔ دس میں سے نو گزر گئے ہیں ایک بچا ہے وہ بھی لائن میں لگا ہے۔ میں نے رخصت ہونے والوں کے حالات پوچھے کہ کیسے تھے۔ کہنے لگا ایک سے خرخر کی آواز آتی نرس مجھے جگاتی میں وہاں جاتا، وہ بیمار لمبی لمبی سانسیں لے رہا ہوتا، گلے میں بلغم پھنسا ہوتا میں نرس کو suction کا کہتا یعنی مشین کے ذریعے بلغم نکالنے کا، جو انجکشن مناسب ہوتے وہ لگاتے۔ مریض کی آنکھیں کھلی کھلی رہ جاتی اور وہ رخصت ہو جاتا۔ میں فارغ ہو کر بستر پر لیٹتا۔ تھوڑی دیر بعد نرس پھر آ کر جگاتی کہ دوسرے مریض کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اُس کی بھی پہلے جیسی حالت ہوتی۔ گلے سے خرخر کی آواز آتی پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی رخصت ہو جاتا۔ میں نے کہا کہ کسی مریض کو کلمہ کی تلقین بھی کی یا ساتھ والوں کو کہا کہ سورۃ یٰسین پڑھو۔ اُس نے کہا کہ کسی بیمار نے کلمہ نہیں پڑھا، اور ہمارا دھیان بھی اس طرف نہیں گیا، یونہی سب کو رخصت کیا گیا۔ مرد حضرات کے چہرے سنت سے خالی تھے۔

ایک دن آئی سی یو میں ایک بیمار کو خطرناک حالت میں لایا گیا۔ ہم نے اس کو بستر پر لِٹا کر ساری ادویات شروع کر دیں۔ اس کی حالت آخری وقت کی نشاندہی کر رہی تھی۔ وہ آہستہ

سانس لے رہا تھا، کچھ دیر کے لیے سانس رُک جاتی، پھر شروع ہو جاتی۔آنکھیں ایک ہی طرف دیکھ رہی تھیں۔آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔اور چہرہ خشک ہوتا نظر آرہا تھا۔اس کے بیٹے اور رشتہ داروں کو میں نے سمجھا دیا کہ یہ کچھ دیر کا مہمان ہے۔ہم اپنی طرف سے کوشش کریں گے لیکن آپ ذہنی طور پر تیار رہیں۔میری ڈیوٹی کے دوران اس کی حالت ایسے ہی رہی۔دوسرے دن بھی یہی حالت رہی۔لیکن اب دَست شروع ہو گئے تھے۔ہر آدھ گھنٹہ بعد دست کرتا۔اس کا بیٹا جو اس کی خدمت کر رہا تھا کافی تھک گیا تھا۔ہر وقت شلوار تبدیل کرتے تھے۔نرس نے کہا کہ اس کے اوپر چادر ڈال دو اور شلوار نہ پہناؤ، ویسے بھی ارد گرد پردے لگے ہوئے ہیں۔تیسرے دن بھی اس کی یہ حالت رہی لیکن دست اب پانی کی شکل اختیار کر گئے تھے۔اس کا پیشاب کمر تک چلا جاتا، ایسے لگتا تھا کہ جیسے پیشاب میں نہایا جا رہا ہو۔مجھے اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔اس کی سانس پہلے کی طرح تھی، آنکھیں ایک طرف کو اُٹھی ہوئی تھیں، ہمارے سارے ڈاکٹر اس کا معائنہ کر چکے تھے، ادویات بدلی گئیں، لیکن آفاقہ نہ ہوا۔میں نے بیٹے سے پوچھا، والد صاحب کس شعبہ میں ملازمت کرتے تھے، اس نے کہا سیشن جج تھے۔حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔میں نے کہا نماز روزہ کی پابندی تو ہوگی، کسی دینی جماعت کے ساتھ بھی اُٹھتا بیٹھتا تھا، اس کا جواب نفی میں تھا۔میں نے کہا عدل میں کیسا تھا، کہنے لگا درمیانی راہ اختیار کرتا تھا۔کسی نے اس کے بیٹے سے کہا کہ اس پر سورہ یٰسین پڑھو تاکہ اس کی سختی آسان ہو، اللہ تعالیٰ اس حالت میں اس کے گناہوں کو صاف کر رہے ہیں اور اس کے درجات انشاءاللہ بلند ہوں گے۔مجھے حضرت حسن بصریؒ کا دمِ مرگ یاد آیا جو تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہوا ہے کہ آپ مسکراتے ہوئے فرماتے رہے کہ کونسا گناہ، کونسا گناہ، اور یہی کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔پھر کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا عالمِ نزع میں آپ مسکرا کیوں رہے تھے اور کونسا گناہ بار بار کیوں کہہ رہے تھے؟ فرمایا؛ دمِ نزع میں مجھے یہ ندا سنائی دی کہ اے ملک الموت سختی سے کام لے کیونکہ ایک گناہ باقی رہ گیا ہے۔چنانچہ اس خوشی میں مسرور ہو کر میں بار بار کونسا گناہ کہہ رہا تھا۔تیسرے دن کی شام کو جج صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(باقی صفحہ ۷ اپر)

ایٹمی دھماکے اور روحانیت

(سرفراز خان مروت، لائبریرین پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی)

جس پہاڑی سلسلے راسکوہ میں ''کمباران'' کا پہاڑ واقع ہے وہاں سانپوں اور بچھوؤں کی بہتات ہے۔ مقامی بلوچوں کے مطابق اسی سلسلے میں ایک پہاڑی ''ملک سرندہ'' کے نام سے موجود ہے۔ جہاں ایک زیارت گاہ واقع ہے۔ یہاں ایک بزرگ ''سانپوں والے بابا'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اس زیارت گاہ کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ بھی سانپوں سے اٹا ہوا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سرنگ کی تعمیر سے لے کر دعا کے وقت تک کسی ایک آدمی کو سانپ نے نہیں ڈسا۔ ایک سائنس دان کے مطابق ایٹمی دھماکے کی تیاریوں کے دنوں میں تمام لوگ سائٹ پر ہی بنے ہوئے مڈ ہاؤسز میں سوتے تھے۔ پہلی رات چھت پر سرسراہٹ کی آواز سن کر انہوں نے کمرے میں موجود ایک فرد سے جو، ان سے پہلے سے یہاں رہائش پذیر تھا، پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ تو اس نے ہنس کر جواب دیا کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کے رینگنے کی آواز ہے۔ کئی بار تو یہ چارپائی پر بھی گر جاتے ہیں لیکن فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ کاٹتے نہیں۔

دوسرا واقعہ ایٹمی دھماکوں کے بعد کھانے کے وقت کا ہے۔ اس وقت کیمپ میں صرف پانچ کلو مرغی کا گوشت موجود تھا۔ جس کا شوربہ بنا لیا گیا تھا، اتفاقاً وہاں کھانے والوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ایک سوتیس کے قریب جا پہنچی۔ وہاں موجود ایک سائنس دان کے مطابق ان کی حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب اِتنے آدمیوں کی موجودگی کے باوجود سالن ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور ہر آدمی دسترخوان سے سیر ہو کر اُٹھ رہا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ شاید باورچی مذاق کر رہا تھا اور اس نے زیادہ گوشت پکایا ہے۔ وہ باورچی کے پاس پہنچے تو وہ خود بھی حیران و پریشان تھا۔ انہیں دیکھتے ہی کہنے لگا کہ میری تو عقل دنگ ہے کہ جتنا سالن اور بوٹیاں دیگچی سے نکالتا ہوں یہ پھر بھی بھری رہتی ہے، جیسے اس میں سے کچھ نکالا ہی نہ گیا ہو۔ اس واقعہ نے وہاں موجود لوگوں پر ایسا اثر چھوڑا کہ سب بے اختیار اللہ کے حضور شکرانے کے لیے سجدے میں گر گئے۔ کہ بے شک وہی قادر مطلق ہے۔

اسی طرح سائنس دانوں کے ٹیم کے انچارج ڈاکٹر ثمر مند مبارک نے ایک ملاقات میں بتایا کہ وہاں قیام کے دوران ایک گاڑی میں خرابی پیدا ہوگئی۔ گاڑی کی مرمت جس مقام سے ممکن ہو سکتی تھی اس فاصلہ چاغی سے تقریباً چار گھنٹے کی مسافت کا تھا۔ ڈرائیور دو سے اڑھائی گھنٹے بعد گاڑی ٹھیک کروا کر واپس آ گیا جب انہوں نے اس سے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا کہ تم گاڑی ٹھیک کروانے نہیں گئے؟ تو ڈرائیور نے کہہ کر ڈاکٹر ثمر مند مبارک کو حیران کر دیا کہ وہ گاڑی ٹھیک کروا کر واپس بھی آ چکا ہے۔ مزید استفسار پر ڈرائیور نے بتایا کہ اسے مکینک کو تلاش کرنے میں خاصا وقت لگا وگرنہ اس سے بھی پہلے واپس پہنچ سکتا تھا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار نے اپنے ان بندوں کی مدد کے لیے زمین لپیٹ کر فاصلہ کم کر دیا تھا۔ بات کو آگے بڑھانے سے پہلے میں ثمر مبارک مند سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا۔

اس ملاقات کے دوران جب میں نے ڈاکٹر ثمر کو یہ کہہ کر متوجہ کرنا چاہا کہ جس بزرگ و برتر ہستی نے ہمیں یہ عظیم ملک ''پاکستان'' عطا فرمایا ہے وہی اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے وقت پاکستان کی بین الاقوامی سرحد بالکل خالی تھی۔ پاک فوج یا تو کشمیر میں بھارتی فوج سے برسر پیکار تھی یا ابھی بارکوں میں تھی۔ لیکن بھارتی حملے کے وقت وہ جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اس کے باوجود جدید ترین اسلحے سے لیس بھارتی فوج اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اگر پاکستان کے دل لاہور پر قبضہ نہیں کر سکی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اس ملک کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا۔ اس کی مثال میں نے اس طرح دی کہ حضرت سید اسمٰعیل شاہ بخاریؒ المعروف کرماں والی سرکار ان دنوں لاہور میں اپنے ایک عقیدت مند کے گھر آپریشن کے بعد ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق محو آرام تھے۔ پیشاب کی نلکی ان کو لگی ہوئی تھی۔ زخم ابھی تازہ تھے اس لیے وہ خاصی تکلیف میں تھے کہ ۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح خلافِ توقع آپ نے گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا۔ قریبی مریدوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے واہگہ جانا ہے۔ سب عقیدت مند حیرت زدہ تھے کہ حضرت کو انتہائی تکلیف کے عالم میں کونسا ضروری کام یاد آ گیا

ہے۔دوبارہ پوچھنے پر آپ نے سختی سے کہا کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کو بار بار پوچھا نہیں کرتے۔چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق تیار کی گئی اس پر آپؒ تشریف فرما ہوئے اور ڈرائیور آپ کی ہدایت پر واہگہ سرحد کی جانب گامزن ہوگیا۔چند عقیدت مند بھی آپ کے ہمراہ تھے۔جنہوں نے بعد میں یہ واقعہ کتاب ''گنج کرم'' میں تحریر کیا۔آپ نے واہگہ سرحد پر پہنچ کر ایک چارپائی منگوائی،اس پر بیٹھ کر کچھ دیر قرآنی آیات کی تلاوت کرتے رہے،بعدازاں بھارت کی طرف رُخ کر کے تین مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں مٹی بھر کے بھارت کی طرف پھینکی۔پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے واپس لاہور چلنے کا حکم دیا۔دو گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ کی تکلیف میں مزید شدت پیدا ہوگئی لیکن آپ نے اسے برداشت کیا۔

اگلی صبح ایک بار پھر گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا اور عقیدت مندوں کے روکنے کے باوجود آپ برکی ہڈیارہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور بھارتی سرحد پر پہنچ کر وہی عمل دُہرایا جو ایک دن پہلے آپ نے کیا تھا اور واپس آگئے۔آپریشن کے زخموں سے خون بہنے لگا اور تکلیف میں حد درجہ اضافہ ہوگیا تو مریدوں نے وہ وجوہات پوچھنے کی جستجو کی جو آپ مسلسل دو مرتبہ بھارتی سرحدوں پر لے جا رہی تھی۔حالانکہ میجر شفقت بلوچ (جنہیں ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا ہیرو قرار دیا جاتا ہے) کے بقول پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیاں بھارتی حملے سے بے خبر تھیں۔ان کی رپورٹ کے مطابق بھارتی فوج جالندھر کے قریب نقل وحرکت کر رہی ہے۔اسے بین الاقوامی سرحد تک پہنچنے اور حملے کی پوزیشن میں آنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا۔

ایک طرف دنیاوی سراغ رساں ایجنسیاں اور دوسری طرف اللہ کے برگزیدہ بندے دونوں اپنی صوابدید کے مطابق مصروف عمل تھے۔بہرکیف تیسری صبح ایک بار پھر حضرت سید اسماعیل شاہ بخاریؒ نے گاڑی کے ذریعے گنڈا سنگھ بارڈر چلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔بلکہ وہاں جا کر بھارت کی طرف چہرہ مبارک کر کے نعرہ تکبیر بھی لگایا اور مٹھی میں مٹی بھر کے بھارتیوں کی طرف پھینکی۔۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کی شام جب آپ گنڈا سنگھ بارڈر قصور سے واپس لاہور پہنچے تو عقیدت مندوں نے دیکھا کہ آپریشن کی حالت میں بھی آپ سجدے میں پڑے گریہ وزاری کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے

پروردگار! تیرے حبیب ﷺ نے پاکستانی سرحدیں محفوظ کرنے کی میری جو ڈیوٹی لگائی تھی میں نے کماحقہٗ وہ پوری کردی ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے اب پاکستان کی سرحدیں محفوظ ہیں۔

پھر اسی رات روضۂ رسولؐ کے روبرو نوافل ادا کرتے ہوئے ایک شخص نے اُنگھ کی حالت میں خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ صحابہ کرامؓ سمیت انتہائی جلدی میں کہیں جا رہے ہیں۔ نوافل پڑھنے والے شخص نے نہایت ادب سے آپؐ سے اتنی عجلت کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ پاکستان پر حملہ ہونے والا ہے؟

یہ تو روحانی دنیا کی باتیں تھیں لیکن پھر دنیا نے دیکھا کہ جن تین مقامات پر حضرت سید اسمٰعیل شاہ بخاریؒ نے آپریشن کی حالت میں آکر قرآنی آیات تلاوت کی تھیں اور مٹی سے بھری ہوئی مُٹھی بھارتیوں کی طرف پھینکی تھی (جیسے غزوۂ بدر میں آنحضورؐ نے دشمن کو اندھا کرنے کے لئے اپنے دستِ مبارک سے مٹی پھینکی تھی) انہیں تین مقامات پر بھارتی فوج نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح یلغار کی۔ اِس کے باوجود کہ ان تینوں مقامات پر باضابطہ پاکستانی فوج موجود نہ تھی پھر بھی بھارتی فوج ان مقامات سے پیش قدمی کرتے ہوئے لاہور شہر تک نہ پہنچ سکی جو بھارتی سرحد سے صرف ۲۸ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

میں نے جب یہ واقعہ ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو سنایا تو انہوں نے ایٹمی دھماکوں اور اُس کے بعد کے حالات کا تذکرہ اِس انداز سے کرنا شروع کیا کہ مجھ سمیت اِس ملاقات میں موجود باقی لوگوں پر بھی سکتہ طاری ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد جب وہ اسلام آباد واپس پہنچے تو ایک اُنہیں یہ پیغام ملا کہ ایک بزرگ اُنہیں ملنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پیغام دینے والے شخص سے کہا کہ اگر ملنے کی خواہش رکھنے والے واقعی بزرگ ہیں تو میں خود ملنے اُن کے گھر جاؤں گا۔ بات کو آگے بڑھانے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اِس سے پہلے میں روحانیت پر زیادہ یقین نہیں رکھتا تھا۔ بہر کیف ڈاکٹر ثمر ایک شام بتائے ہوئے پتے پر اکیلے ہی پہنچ گئے۔ جوں ہی آپ ایک حال نما کمرہ میں داخل ہوئے تو عقیدت مندوں کے ہجوم میں گِھرے ہوئے بزرگ نے اُنہیں دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے اور مخاطب ہو کر بڑے

شناسا انداز میں فرمایا کیا آپ ہی ڈاکٹر ثمر مبارک مند ہیں جنہوں نے پاکستان کی طرف سے ایٹمی دھماکے کیئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر وہ بزرگ ڈاکٹر صاحب کو اپنے ساتھ لے کر بالائی منزل پر چلے گئے اور باقی لوگ نیچے بیٹھے رہ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول وہ اِس بات پر حیران تھے کہ دو تین سو انسانوں کے ہجوم میں اگر ایک اور شخص آجائے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی لیکن اس فقیرانہ محفل میں ان کے آنے کے بعد یک دم صرف وہی تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز کیوں اور کیسے بن گئے۔ جبکہ اُس وقت ڈاکٹر صاحب کی تصویر اخباروں میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ بہر کیف بالائی منزل پر پہنچ کر اُس بزرگ (جس کا نام ڈاکٹر صاحب نے نہیں بتایا) نے ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ حیران ہوں گے کہ اس سے پہلے ملاقات نہ ہونے کے باوجود میں نے آپ کو کیسے پہچان لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ واقعی یہ میرے لئے حیران کُن بات ہے۔ اِس پر وہ بزرگ بولے کہ ایک شام نبی کریم ﷺ کے ہاں محفل سجی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین، تابعین رحمھم اللہ، اولیائے کرامؒ اور قطب ابدال تمام نیک ہستیاں وہاں موجود تھیں کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کی شبیہہ دکھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو پاکستان کی طرف سے کامیاب ایٹمی دھماکے کرے گا۔ بزرگ نے مزید بتایا کہ یہ شبیہہ آپ کی تھی اور سب کو تین مرتبہ دکھائی گئی تھی۔ چونکہ میں بھی وہاں موجود تھا اِس لئے میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا جس کی وجہ سے میں آج آپ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔

گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے بزرگ نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو یاد ہو گا کہ ایٹمی دھماکوں میں معاون بننے والی تاروں میں پانی پڑ گیا تھا اور وہ شاٹ ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا واقعی ایسا ہوا تھا۔ تو پھر وہ یک دم کیسے ٹھیک ہو گئیں؟ ڈاکٹر صاحب یاد کریں جب آپ کے پاس پانچ کلو مرغی کا گوشت تھا اور کھانے والے ۱۳۵ سے بھی زیادہ افراد تھے۔ پھر ان سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کیسے کھایا تھا؟ بزرگ کی باتیں ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو مزید حیران کیئے جا رہی تھیں کیونکہ ان باتوں کے بارے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب گہری سوچ میں گم تھے کہ بزرگ نے پھر کہا کہ جہاں آپ کی ٹیم کے لوگ رہائش پذیر تھے وہاں سانپ اور بچھو تو بہت ہوں

گے اور یقیناً آپ نے اُن کو اپنے اردگرد رینگتے دیکھا بھی ہوگا۔ آپ سمیت سب لوگ جب زمین پر نیچے لیٹے ہوئے تھے تو کسی سانپ یا بچھو نے آپ کو یا آپ کے کسی ساتھی کو ڈسا؟ ڈاکٹر صاحب نے حیرت انگیز لہجے میں کہا نہیں۔ ایک بار پھر بزرگ بولے ڈاکٹر صاحب ان سانپوں اور بچھوؤں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ڈسنے کا حکم تھا جس طرح آگ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو نہ جلانے کا حکم تھا۔ آپ نے محسوس نہیں کیا کہ اسی طرح آپ کے اردگرد فرشتے پہرہ دے رہے تھے اور انہیں حکم تھا کہ کلمہ طیبہ کے نام پر بننے والے اس ملک کی حفاظت ہر حال میں کرنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ پہلے تو میں روحانیت کو زیادہ نہیں مانتا تھا لیکن ایٹمی دھماکوں کے بعد مجھ پر روحانیت کا خاصا اثر محسوس ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب بھی میری حفاظت فرشتوں نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

(محمد اسلم لودھی کی کتاب ''قومی ہیروز'' حصۂ دوم سے انتخاب)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۱۱ سے آگے)

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ایک دن کا عدل ساٹھ (۶۰) سال کی بے ریا (نفل) عبادت سے افضل ہے۔ قیامت کے دن جس کو سب سے پہلے عرش کے سایہ تلے بلایا جائے گا، وہ عادل بادشاہ ہوگا، اس کی تفسیر میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں وہ سب داخل ہیں جن کے ہاتھ میں عدل تھا، یعنی عادل بادشاہ، عادل جج، عادل وزیر، عادل تھانیدار وغیرہ۔ دوسری حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کہ وہ سیدھے عرش تک پہنچتی ہے۔ اللہ ہمیں صحیح سمجھ کی توفیق نصیب کرے، عدل گھر میں بھی ہوتا ہے اور باہر بھی۔

(جاری ہے)

مُبارکباد

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کے کارکُن نعمان وزیر نے کیبر میڈیکل کالج، پشاور کے سال سوم کے سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ ادارہ اُن کی اِس کامیابی پر اُنہیں مبارکباد پیش کرتا ہے۔

صحبتِ صالح کی اھمیت

(ڈاکٹر محمد طارق، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فزیالوجی، کیبر میڈیکل کالج، پشاور)

صحبتِ صالح تُرا صالح کُند
صحبتِ طالح تُرا طالح کُند

بزرگوں کی صحبت کے بغیر اعلیٰ درجے کی تعلیم بھی کافی نہیں اور نہ ادنیٰ درجے کی اور اسی وجہ عالموں اور طالب علموں سب کے ذمہ اس کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ پہلے زمانہ میں جو سب لوگ اچھے ہوتے تھے اِس کی بڑی وجہ یہ ہی تھی کہ وہ سب اِس صحبت کا انتظام کرتے تھے اِس وقت یہ حالت ہے کہ تعلیم کا انتظام تو کسی قدر ہے بھی کہ اس پر ہزاروں روپیہ صَرف کیا جاتا ہے اور اس کو بہت سا وقت دیا جاتا ہے مگر بزرگوں کی صحبت کے واسطے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا۔ خدا کی قسم اگر نیک صُحبت کی طرف ذرا بھی توجہ کرتے تو ساری تباہیوں سے مسلمان بچ جاتے اور اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ اب امتحان کر کے دیکھے اور خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب کرے میں انشاء اللہ پانچ برس کے بعد دکھلاؤں گا کہ سب کے قول و فعل کس قدر درست ہوئے۔ اُس وقت شائستگی کے عام ہونے سے کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے گی اور یہ دنیا جنت کے مثل ہو جائے گی۔ راز اس کا یہ ہے کہ کہ علم کے سیکھنے سے نیک باتیں معلوم ہوں گی اور اچھی صحبت سے بُری باتیں دور ہوں گی اور یہی دو چیزیں یعنی جہالت اور بد خُلقی ساری خرابیوں کی جڑ ہیں۔ کیونکہ اگر کسی میں تکبر ہو اور اُس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اُس کا تکبر حق بات کو قبول کرنے اور غلطی کا اقرار کرنے کی کبھی اجازت نہ دے گا۔ بلکہ وہ اپنی غلطی پر قائم رہے گا اور ہزاروں آدمی اس غلطی سے گمراہ ہوں گے۔ جب تکبر کی اصلاح ہو جائے گی تو یہ بات نہ رہے گی اور اثر اُس کا یہ ہو گا کہ اپنی ہر غلطی کو مان لے گا۔ سُنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عشاء کے وقت ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے اُس کا جواب دے دیا۔ اُس کے جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ یوں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو اور پوچھنے والے کو تلاش کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے آپ آرام فرمائیے ہم لوگ صبح ہونے پر اُسے بتلا دیں گے۔ لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اُس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ گھر میں سے اُس کو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اُس وقت مسئلہ غلط بتلا دیا تھا۔ تمھارے آنے کے بعد ایک شخص نے ہم کو صحیح بتلایا اور وہ اس طرح ہے۔ جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آ کر آرام فرمایا۔ تو اِس بے چینی کا سبب کیا نِرا علم تھا؟ ہرگز نہیں یہ صرف اُس حال کا اثر تھا جو بزرگوں کی صحبت سے پیدا ہوا تھا۔

بعض لوگ جن کی تربیت اور اصلاح نہیں ہوتی اور مقتدا ہو جاتے ہیں اُن کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ چھوٹا بننے سے پہلے بڑے بن جاتے ہیں۔ صاحبو! بیٹا بننے سے پہلے باپ بن جانا بہت سی خرابیوں کا سبب ہے۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ پہلے چھوٹا بن کر اخلاق کی درستی کی جائے۔ اس واسطے کہ اس سے اعمال کی درستی ہو جائے گی۔ تدبیر اس کی یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فراغت دی ہے وہ تو کم سے کم چھ ماہ کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں۔ لیکن اس طرح کہ اپنا سارا کچا چٹھا اُن کے سامنے پیش کر دیں اور پھر جس طرح وہ کہیں اُس طرح عمل کریں۔ اگر وہ ذکر اور شغل تجویز کر دیں تو ذکر اور شغل میں مصروف ہو جائیں۔ اگر وہ اس سے منع کر کے دوسرے کام میں لگا دیں تو اُس میں لگ جائیں اور اُن کے ساتھ محبت بڑھائے اور اُن کی حالت اور طرز کو دیکھتا رہے کہ کسی سے کسی چیز کے لینے کے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں۔ اِس کا یہ اثر ہوگا کہ اچھی عادتیں اُس میں پیدا ہو جائیں گی اور پھر اس کی ذات سے دوسروں کو سراسر نفع ہی پہنچے گا۔ اور جن لوگوں کو فراغت نہیں ہے وہ یہ کریں کہ وقتاً فوقتاً جب کبھی اُن کو دو چار دن کی مہلت ہوا کرے اُس وقت کسی بزرگ کے پاس رہ آیا کریں۔ اپنی اولاد کیلئے یہ کرو کہ روزمرّہ جیسے ہر کام کیلئے وقت مقرر ہے ایسے ہی اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر دو کہ فلاں مسجد میں فلاں بزرگ کے پاس جا کر کچھ دیر بیٹھا کریں۔ صاحبو! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ فُٹ بال کے لئے وقت ہو اور اخلاق کی درستی کے لئے وقت نہ نکل سکے۔ اگر اس شہر میں کوئی ایسا شخص نہ ہو تو چھٹی کے زمانے میں کسی بزرگ کی خدمت میں بھیج دیا کریں۔ اُس زمانے میں تو ان کو کوئی کام بھی نہیں ہوتا کمبخت دن رات مارے مارے پھرتے ہیں، نہ نماز کے نہ روزے کے۔ ماں باپ خوش ہیں کہ ہم نماز کے بہت پابند ہیں۔ حالانکہ اُن کو یہ خبر نہیں کہ قیامت میں وہ اولاد کی سبب اُن کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ایک سے اُس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

آج کل لوگ اپنی اولاد کی ایسی پرورش کرتے ہیں جیسا قصائی گائے کی پرورش کرتا ہے کہ اُس کو کھلاتا پلاتا ہے یہاں تک کہ خوب موٹی تازی ہو جاتی ہے۔ نتیجہ اُس کا یہ ہوتا ہے کہ اُس کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی اولاد کی خوب زیب و زینت اور عیش کے ساتھ پرورش کرتے ہیں اور انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ دوزخ کا لُقمہ ہوتے ہیں اور ان کی بدولت ماں باپ کی بھی گردن ناپی جاتی ہے کیونکہ اس عیش کی بدولت اولاد کو نہ نماز کی خبر ہوتی ہے نہ روزے کی۔ بعض نامعقول تو حد سے اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کو اسلام کی کسی بات کی بھی خبر

نہیں ہوتی۔ ایک نوجوان کی نسبت میں نے سُنا ہے کہ وہ بیرسٹری پاس کر کے آرہے تھے۔ اُس کے باپ نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ میرا لڑکا لندن سے آرہا ہے۔ تمھارے شہر سے اس کا گزر ہوگا اگر تم اس سے اسٹیشن پر مل لو تو بہتر ہو، تاکہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اُن کے لکھنے کے موافق یہ صاحب اسٹیشن پر گئے اور جا کر بیرسٹر صاحب سے ملے۔ اُس وقت بیرسٹر صاحب کھانا کھا رہے تھے۔ چونکہ رمضان شریف تھا اس لئے اُس کو تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ صاحب آج کل رمضان شریف ہے کیا آپ نے روزہ نہیں رکھا؟ بیرسٹر صاحب پوچھتا ہے کہ رمضان کیا چیز ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ رمضان ایک مہینے کا نام ہے۔ وہ جنوری، فروری، مارچ اخیر تک شمار کر کے کہنے لگا ان میں تو رمضان کہیں نہیں آیا۔ آخر اس کی یہ حالت دیکھ کر اُن کو سخت صدمہ ہوا اور سمجھے کہ لندن میں رہ کر، جو کفر کی کان ہے، اِس کا دل مسخ ہو گیا ہے اس کی حالت بدل نہیں سکتی اور اِنّا لِلّٰہ پڑھ کر چلے آئے۔ اب آپ غور کیجئے کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں، مسلمان عورتوں کی گودوں کی پرورش کئے ہوئے اور دوزخ کی گود میں دئے جارہے ہیں۔

صاحبو! اگر یہ ہی رنگ رہا تو عجب نہیں کہ پچاس برس کے بعد یہ اپنے کو مسلمان کہنا بھی ننگ و عار سمجھیں۔ اتنا اثر تو اب بھی آ گیا ہے کہ اسلامی نام پسند نہیں، آپ خوش ہیں کہ اپنی اولاد کو بی۔ اے تک پڑھا دیا، ایم۔ اے تک پڑھا دیا، حالانکہ آپ نے ان کو جہنم کی پگڈنڈی پر چھوڑ دیا ہے اور ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی ہے کہ جنت کا صاف راستہ نظر ہی نہ آسکے۔

صاحبو! اب کہتے ہیں کہ مولوی انگریزی پڑھانے سے منع کرتے ہیں، خدا کی قسم ہم اس سے منع نہیں کرتے بلکہ کافر بنانے سے منع کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی اولاد کو مسلمان رکھ کر انگریزی پڑھا سکے پڑھائے مگر خدا کے لیے ان کا دین تو خراب نہ ہونے دیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں بزرگوں کی صحبت میں بھیجنے کا اہتمام کرو۔ خیر اگر چھ مہینے دوزخ میں جانے کا کام کریں گے تو چھ مہینے جنت میں جانے کے کام بھی تو کرلیں گے۔ اور ان کی صحبت میں وہ اثر ہے جو سو سال کی عبادت میں نہیں، صاحبو! صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا۔ اور یہی مذہب کی روح اور جان ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے۔ کسی وقت نماز اور روزے میں کوتاہی ہو جائے تو اس میں اتنا بڑا ضرر نہیں جتنا کہ اس کا کہ یہ حالت دل میں نہ رہے گی اگر چہ یہ بات میرے منہ سے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز اور روزے کو معمولی بات سمجھ جائے مگر مطلب میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے۔ غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو یہ ظاہری نماز کچھ ایسے کام کی اور نہ روزہ کی

یہ حالت ایسی ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں، وہ محض اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ کہی ہے، کہتا ہے:

میاں مٹھو جو ذاکرِ حق تھے رات دن ذکرِ حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آدابا کچھ نہ بولے سوائے ٹیں ٹیں

اس میں سے ۱۲۳۰ھ موت کی تاریخ نقش ہے تاریخ اگرچہ ہے تو مسخرہ پن لیکن اگر غور کیا جائے تو اس ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلا دیا ہے کہ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت کچھ کام نہیں دیتی، تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو قرآن کا حافظ بھی ہوگا آٹے دال کا بھاؤ ہی دل میں لے کر مرے گا۔جیسا اس وقت غالب حالت ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے اور صاحب! اس کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لیے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر لگاؤ اب میں اپنے بیان کو ایک ضروری بات پر ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ نیک صحبت کے لیے جس شخص کو تجویز کیا جائے وہ کیسا ہو اور اس کے کامل ہونے کی علامات کیا ہیں؟ علامتیں اس کی یہ ہیں۔

۱۔ایک تو بقدرِ ضرورت علمِ دین جانتا ہو۔

۲۔دوسرے شریعت کا پوری طرح پابند ہو۔

۳۔اس میں یہ بات ہو کہ جس بات کو خود نہ جانتا ہو عالموں سے دریافت کر لیتا ہو۔

۴۔اس کو عالموں سے وحشت اور نفرت نہ ہو۔

۵۔اس میں روک ٹوک کی عادت ہو۔مریدوں کو اور تعلق والوں کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔

۶۔اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔

۷۔اس کی طرف دیندار اور دین کو سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ بڑی علامت کمال کی ہے۔

جس میں یہ علامتیں ہوں وہ مقبول ہے اور کامل ہے۔اس کے پاس جائیے اور اس کی صحبت سے فیض حاصل کیجئے۔اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اس کے مرید ہو جائیں کیونکہ پیری مریدی کی حقیقت

مقصود ہے اور وہ یہ ہے جو ابھی ذکر کی گئی یعنی فیض حاصل کرنا، اس کی صورت یعنی ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دینا مقصود نہیں ہے۔ جیسے آج کل سمجھا جاتا ہے کہ وہ محض رسم کے طور پر رہ گئی ہے۔ جیسے بعض جگہ نکاح ایک رسم سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ چاہے شوہر نامرد ہی کیوں نہ ہو، ایسے ہی بطور رسم کے مرید بھی ہوتے ہیں۔ ہاں اگر دل بہت ہی چاہنے لگے مرید ہونے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن کسی سے مرید ہونے کے لیے سخت جانچ اور پرکھ کی ضرورت ہے۔ ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے، یہ سات علامتیں جو اوپر بیان ہوئیں اُس میں ضرور دیکھ لیں۔

(انتخاب از تسہیل المواعظ۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۳۰ سے آگے)

بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کو سلام نہ کرو، یہی ان کے لیے سلامتی کی بات ہے۔ ایک شخص نے عبداللہ بن مبارکؒ کو دعا دی ''اللہ تعالیٰ تمہاری امیدیں پوری کریں'' آپ نے فرمایا: امید معرفت کے بعد ہوتی ہے، یہاں معرفت ہی حاصل نہیں تو امید کیا ہوگی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی موجودگی میں قریش فخر کرنے لگے، آپؓ نے ان سے فرمایا اگر تم میرا حال پوچھتے ہو تو میں ایک نطفہ ناپاک سے پیدا ہوا ہوں اور مجھے ایک مردار بدبودار میں تبدیل ہو جانا ہے، پھر میزان میں میرے اعمال کا پلڑا بھاری رہا تو میں اچھا ہوں اور ہلکا رہا تو برا ہوں۔

(احیاء العلوم۔ حجۃ الاسلام اما غزالیؒ)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

عُجب و خود پسندی

(انجینئر ثاقب علی خان)

اپنے کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہو جائے عُجب ہے۔ عجب وخود پسندی بھی تکبر ہی کی ایک شاخ ہے، صرف ایک قید کم ہے یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا اور حقیر سمجھنا نہیں ہے، صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے، باقی سب اجزا وہی ہیں جو تکبر کے ہیں۔ عجب وخود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں، صرف یہ بات ہے کہ انسان اپنے خیال میں اپنے نفس کو کامل سمجھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا استحقاق خیال کرتا ہے، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہیں سمجھتا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جاتا ہے۔

نفس کا ایک خفی کَید یہ ہے کہ وہ ممتاز ہو کر رہنا چاہتا ہے اور اس میں اس کو حِظ آتا ہے، یہ تو عُجب ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو اور دل میں اس کے سلب ہونے کا خوف بھی رکھے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ کو یہ نعمت عطا فرما دی ہے، وہ مالک و مختار ہے، جس وقت چاہیں مجھ سے لے لیں، تو یہ خود پسندی اور عجب نہیں، کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعمِ حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور تمام نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

عمل میں دو حیثیتیں ہیں:

۱۔ اپنا کمال سمجھنا، اس اعتبار سے یعنی اپنا کمال سمجھ کر اس پر نظر نہ کرنا چاہئے۔ اور

۲۔ خدا تعالیٰ کی رحمت و عطا سمجھنا۔ اس اعتبار سے اس پر مسرت مامور بہ ہے۔ کما قال اللہ عزوجل:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس:۵۸)

کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال کو اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ خدا تعالیٰ کا احسان سمجھ کر شکر ادا کریں کہ انہوں نے ہم سے کام لے لیا ورنہ ہماری کیا طاقت تھی

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت ازُو شناس کہ بخدمت بداشتت

ترجمہ: احسان نہ دھرو کہ بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اُس نے خدمت کے لئے رکھا ہوا ہے

مسلمان کی شان یہ نہیں کہ اپنی عبادت کو عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے، کیونکہ اوّل تو قبولیت کا علم

نہیں جس سے پتہ چلے کہ عبادت واقع میں عبادت ہوئی یا یوں ہی رائیگاں گئی۔ دوسرے اعتبار تو خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا کسی کو علم نہیں کہ کس حال پر ہونا ہے۔ اس لیے اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے کو مقبولِ خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت اور جہالت ہے۔

خود پسندی اتنی بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اپنے نفس کو پاک صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔''

حدیث میں آتا ہے:

۱۔ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے کیونکہ جب آدمی اپنے آپ کو نیکو کار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادت اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا اور اِتراتا ہوا چلتا ہے وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔ (مسند احمد)

۳۔ رہے مہلکات سو وہ (خواہش جس کی پیروی کی جائے اور بخل جس کے مطابق عمل کیا جائے اور) آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا ہے (اور یہ سب سے بڑھ کر ہے۔) (رواہ بیہقی)

جتنے کام حق تعالیٰ ہم سے لے رہے ہیں یہ خود انعام ہے، پھر انعام پر طلبِ انعام کیسا؟ انعام تو عمل پر ہوا کرتا ہے اور یہاں خود یہ اعمال ہی سراپا انعامات ہیں ورنہ ہم کس قابل تھے کہ حق تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت

عمل صالح کی توفیق محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہے، یہ جو آپ کو نماز کا شوق ہے اور رات کو تہجد کو اٹھتے ہیں، یہ آپ کا کام نہیں، کوئی اور ہی اٹھا رہا ہے۔

؎ مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

اگر حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سے کچھ کام لے لیں تو اس کو ان کی عنایت سمجھنا چاہئے کہ سب باگیں ان ہی کے

قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اظہار عمل مطلقاً نقص نہیں اور نہ اخفائے عمل مطلقاً کمال ہے۔ نقص اس وقت ہے کہ جب اپنے اوپر نظر ہو اور کمال اس وقت ہے جب اپنے اوپر نظر نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ شانہ پر نظر ہو۔

اگر ذکر (یا کوئی عبادت) کر کے نفس خوش ہو تو اگر اس کو اپنی فضیلت اور کمال سمجھے تو کبر ہے اور اگر عطائے حق سمجھے اور اپنے کو اس کا مستحق نہ سمجھے تو شکر ہے۔

کمال پر ناز کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص کمال سے عاری ہے ورنہ اہل کمال ناز نہیں کیا کرتے کیونکہ ان پر کمال کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس سے اپنے آپ کو عاجز پا کر وہ کبھی ناز نہیں کر سکتے۔

عُجب کا علاج یہ ہے:

۱۔ اگر غیر اختیاری خوبیوں (مثلاً قوت وطاقت یا حسن وجمال) پر عجب ہو تو یوں سمجھے کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ جس پر ناز کروں۔ حق تعالیٰ کا محض فضل واحسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا فرمائیں۔ علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری اور ضعف لاحق ہو جائے تو سب جاتی رہیں گی، تو دوسرے کے ناپائیدار عطیہ پر عجب کیسا۔ اور اگر اختیاری افعال (مثلاً علم وعمل، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت یا قابلیت ولیاقت) پر ناز ہو تو یہ غور کرے کہ یہ کمالات اور محاسن کس طرح حاصل ہوئے؟ اگر حق تعالیٰ ذہن رسا، طاقت وہمت، دماغ، بینائی، ہاتھ، پاؤں، قصد وارادہ اور توفیقِ عمل وعبادت مرحمت نہ فرماتے تو کوئی کمال کس طرح حاصل ہوتا۔ اس کا فضل تھا کہ تکمیل عزم وعمل میں کوئی مانع پیش نہ آیا، ورنہ میں مجبور تھا، خود کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ یہ ضرور مسلّم ہے کہ انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے یا برے کام کرتا ہے، مگر اختیار وارادہ بھی تو حق تعالیٰ کی عطا ہے، اور پھر تمام اسباب کا مہیا کرنا اور کامیابی عطا فرمانا، غرض ابتداء سے انتہا تک سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

؎ کار زلف تست مشک افشانی امّا عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

ترجمہ: یہ خوشبو کا پھیلانا آپ کی زلف کا کام ہے۔ مصلحت کے لئے عاشقوں نے چین کے ہرن پر اس کی تہمت لگا دی ہے۔

ایسی حالت میں ناز کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ (باقی صفحہ ۶ پر)

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (چھٹی قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دار العلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

تواضع کے بارے میں امام غزالیؒ کے اقوال

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بندہ تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رفعت بخشتا ہے اور فرماتا ہے کہ بلند ہو، اللہ نے تجھ کو بلندی عطا کی ہے۔ اور جب تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دور ہو، اللہ نے تجھے دور کیا ہے، تو وہ اپنی نظر میں تو بڑا ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے سُور سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایسے درخت تک پہنچا جس کے نیچے کوئی شخص پڑا سو رہا تھا اور چمڑا پھیلا کر اس نے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا، کیونکہ آفتاب اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس لیے سونے والے پر دھوپ پڑ رہی تھی، میں نے چمڑا درست کر دیا۔ اتنے میں وہ شخص جاگ گیا تو میں نے دیکھا کہ سلمان فارسیؓ ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا تھا ان سے کہہ دیا، انھوں نے فرمایا: اے جریر! دنیا میں اللہ کے لیے تواضع کر، جو شخص دنیا میں اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اونچا اٹھائے گا۔ اے جریر! کیا تجھے معلوم ہے قیامت کے دن دوزخ کی ظلمت کیا ہوگی؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا دنیا میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم ڈھاتے ہیں یہی ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر سامنے آئے گا، اور دوزخ کے عذاب کی شکل اختیار کر لے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تم لوگ افضل ترین عبادت تواضع سے غافل ہو۔ یوسف بن اسباطؒ کہتے ہیں تھوڑا سا تقویٰ بہت سے عمل سے کافی ہے اور تھوڑی سی تواضع بہت سے مجاہدے سے کافی ہے۔ حضرت فضیلؒ سے کسی شخص نے تواضع کے بارے میں دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا: تواضع یہ ہے کہ تو حق کے سامنے سرنگوں ہو، اور حق کا مطیع اور فرمانبردار ہو، یہاں تک کہ اگر کسی بچے سے بھی حق بات معلوم ہو تو قبول کر لے، کسی جاہل سے سنے تو قبول کر لے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں اصل تواضع یہ ہے کہ تم اس شخص کو تو اپنے پر ترجیح دو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے کم ہو، یہاں تک کہ وہ یقین کر لے کہ تمھیں اپنی دنیا کی وجہ سے اس پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور اس شخص سے اپنے آپ کو برتر سمجھو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ یہ

سمجھ لے کہ اسے دنیا کی وجہ سے کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال یا حسن یا لباس یا علم عطا کیا ہو اور اس نے تواضع نہ کی ہو قیامت کے روز یہ نعمتیں اس کے لیے وبال بن جائیں گی۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ جب میں تم پر کوئی نعمت نازل کروں تو تم اسے انکساری کے ساتھ قبول کرو، میں تم پر وہ نعمت تمام کروں گا۔ کعب فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی اور اس نے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا اور متواضع بن کر رہا اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی اس نعمت کے منافع سے نوازیں گے اور آخرت میں بھی درجات بلند فرمائیں گے، اور جس شخص کو کوئی نعمت ملی لیکن اس نے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ لوگوں پر برتری جتائی ایسا شخص دنیا میں بھی اس نعمت کے منافع سے محروم رہے گا، اور آخرت میں بھی عذاب سے دوچار ہوگا۔

عبدالملک بن مروان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ کون آدمی سب سے بہتر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شخص جو قدرت کے باوجود تواضع کرے، رغبت کے باوجود زہد کرے، اور قابو پانے کے باوجود انتقام نہ لے۔ ابن السماک ہارون الرشید کے پاس گئے اور کہنے لگے امیر المؤمنین! شرف کے ساتھ آپ کی تواضع آپ کے شرف سے بہتر ہے، ہارون الرشید نے ابن السماک کے اس جملے کی تحسین کی، انھوں نے مزید کہا امیر المؤمنین! اگر اللہ تعالیٰ کسی کو جمال، شرف، حسب اور مال عطا کرے اور وہ جمال میں پاک دامن رہے، مال سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور حسب نسب میں انکسار کرے تو اس کا نام اللہ تعالیٰ کے یہاں اولیاء اللہ کے زمرے میں لکھا جائے گا۔ ہارون الرشید نے قلم کاغذ منگوایا اور اپنے ہاتھ سے ان کے یہ ارشادات لکھے۔

حضرت سلمان کا معمول یہ تھا کہ صبح سویرے آپ اغنیاء اور شرفاء سے سرسری ملاقات کرتے اور ان سے فارغ ہوکر مساکین کی مجلس میں آکر بیٹھ جاتے، ارشاد فرماتے کہ مساکین کا گزر مساکین کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

کسی کا قول ہے کہ جس طرح تمھیں یہ بات ناپسند ہے کہ مالدار لوگ تمھیں بوسیدہ کپڑوں میں دیکھیں اسی طرح تمھیں یہ بات بھی ناپسند ہونی چاہئے کہ درویش تمھیں عمدہ لباس میں دیکھیں۔ روایت ہے کہ یونس، ایوب اور حسن تواضع کے بارے میں مذاکرہ کررہے تھے، حسن نے ان سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو

تواضع کیا ہے؟ تواضع یہ ہے کہ جب تم گھر سے باہر نکلو اور تم کو مسلمان نظر آئے تو تم اسے اپنے سے برتر تصور کرو۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو پہاڑوں نے ایک دوسرے پر برتری اور بلندی کا اظہار کیا لیکن جودی نامی پہاڑ نے تواضع اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اسے سربلندی عطا کی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر رکھی۔

ابو سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کیا تو کسی کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے زیادہ تواضع نہ پائی اسی لیے انہیں اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کے شرف سے نوازا۔

یونس ابن عبید نے عرفات سے واپسی کے بعد کہا کہ اگر میں لوگوں میں نہ ہوتا تو یقیناً ان پر رحمت نازل ہوتی، اب مجھے خوف ہے کہ کہیں میری وجہ سے وہ لوگ بھی رحمت سے محروم نہ ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ مومن جس قدر نفس کو متواضع رکھتا ہے اسی قدر اسے اللہ کے یہاں بلندی نصیب ہوتی ہے۔

زِیادنُمیری کہتے ہیں کہ تواضع کے بغیر زاہد ایسا ہے جیسے پھلوں کے بغیر درخت۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی منادی کرنے والا مسجد کے دروازے پر یہ اعلان کرے کہ تم میں سے بدترین آدمی باہر آجائے تو بخدا سب سے پہلے باہر نکلنے والا میں ہوں گا اِلّا یہ کہ کوئی شخص اپنی طاقت کے بل بوتے پر مجھ سے سبقت کر جائے۔ جب ابن المبارک نے ان کا یہ قول سنا تو فرمایا واللہ مالک اسی لیے مالک کہلاتے ہیں۔

فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں اقتدار کی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہوتا۔ موسیٰ ابن القاسم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں زلزلہ آیا اور سرخ آندھی چلی، میں محمد بن مقاتلؒ کے پاس گیا اور ان سے کہا اے ابو عبداللہ آپ ہمارے امام ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں، محمد بن مقاتلؒ میری بات سن کر رونے لگے اور کہنے لگے کاش میں تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہوتا۔

موسیٰ بن قاسم کہتے ہیں میں نے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے محمد بن مقاتلؒ کی وجہ سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ کر دیا۔

ایک شخص حضرت شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ آپؒ عادتاً یہ

سوال کیا کرتے تھے، اس شخص نے جواب دیا میں نیچے کا نقطہ ہوں، آپ نے اس سے فرمایا تو ایسا ہی بن (یعنی پستی اختیار کر) جیسا تو نے کہا ہے۔

حضرت شبلیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے کہ میں اتنا ذلیل ہوں کہ میری ذلت کے سامنے یہودیوں کہ ذلت ہیچ رہ گئی۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ جو شخص اپنی ذرا بھی قدر کرتا ہے وہ تواضع کی صفت سے محروم رہتا ہے۔

فتح ابن شخرف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو خواب میں دیکھا اور ان سے عرض کیا اے ابوالحسن! مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپؓ نے فرمایا فقراء کی مجلس میں کوئی مالدار ثواب کی توقع سے تواضع کرے تو یہ کتنی عمدہ بات ہے اور اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ کوئی فقیر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے مالداروں پر تکبر کرے۔

ابوسلیمانؒ کہتے ہیں آدمی اس وقت تک تواضع نہیں کرتا جب تک اپنے نفس کو نہیں پہچانتا۔ ابویزید کہتے ہیں کہ آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ مخلوق میں کوئی اس سے بدتر ہے تکبر کی علامت ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تواضع کی علامت کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ تواضع کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مقام اور حال کو اہمیت نہ دے، آدمی کو جس قدر اپنے رب کی اور اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس قدر تواضع کرتا ہے۔

ابوسلیمانؒ کہتے ہیں کہ جس قدر میں اپنے دل میں کم حیثیت اور بے کار انسان ہوں اگر ساری دنیا مجھے اس سے زیادہ بے حیثیت اور بیکار بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتی۔

مروہ بن الورد کہتے ہیں تواضع حصول عظمت کا ایک جال ہے، ہر نعمت پر حسد کیا جا سکتا ہے لیکن تواضع ایک ایسی نعمت ہے جس پر کوئی حسد نہیں کر سکتا۔

یحیٰ ابن خالد برمکی کہتے ہیں شریف وہ ہے جو تم سے ملے تو تواضع کرے اور بیوقوف وہ ہے جو تم سے ملے تو برتری ظاہر کرے۔ یحیٰ بن معاذ کہتے ہیں مال کے ذریعے تکبر کرنے والوں پر تکبر کرنا تواضع ہے، تکبر تمام مخلوق میں برا ہے اور فقراء میں زیادہ برا ہے، کہتے ہیں غربت صرف اس کے لیے ہے جو اللہ کے لیے ہے نفع صرف اس کے لیے ہے جو اپنا نفس اللہ تعالیٰ کو فروخت کر دے۔

ابوعلیؒ کہتے ہیں آدمی کا نفس کبر، حرص اور حسد سے مرکب ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا

ارادہ فرماتا ہے اسے تواضع، نصیحت اور قناعت سے روک دیتا ہے اور جب اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو مہربانی کا معاملہ کرتا ہے۔ جب نفس میں کبر کی آگ بھڑکتی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے تواضع اس پر چھا جاتی ہے، جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے نصیحت کے چھینٹے اسے ٹھنڈا کر دیتے ہیں، جب حرص کی آگ بھڑکتی ہے قناعت اسے بجھا دیتی ہے۔

حضرت جنیدؒ سے منقول ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں ارشاد فرماتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہ فرمایا ہوتا ''آخری زمانے میں قوم کے سردار اُن کے ذلیل افراد ہوں گے'' تو میں ہرگز تم سے کچھ نہ کہتا۔ حضرت جنیدؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے اہل توحید کے نزدیک تواضع بھی کبر ہے، غالباً ان کی مراد یہ ہوگی کہ متواضع اپنے نفس کا دھیان کرتا ہے تب ہی تو اسے پست تصور کرتا ہے، موحد کے نزدیک نفس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔

عمرو ابن شیبہؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مصروف تھا اتنے میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے خچر پر سوار چلا آ رہا ہے، اس کے آگے آگے نوکر چل رہے ہیں جو لوگوں کو سخت سست کہتے ہیں اور انھیں راستہ چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں۔ چند روز بعد میں مکہ مکرمہ سے واپس بغداد پہنچا، وہاں میں نے اسی شخص کو دیکھا کہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پھر رہا ہے، سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے ہیں، میں اسے غور سے دیکھنے لگا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ ایک شخص تم سے بڑی مشابہت رکھتا ہے، میں نے اسے مکہ مکرمہ میں دیکھا ہے، اس نے کہا میں وہی شخص ہوں، میں نے اس کی موجودہ حالت پر حیرت ظاہر کی، اس نے کہا میں نے ایسی جگہ برتری کا مظاہرہ کیا تھا جہاں لوگ تواضع کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی جگہ گرا دیا جہاں لوگ اٹھ کر چلتے ہیں۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم نخعیؒ سے ایسے ڈرتے تھے جیسے امیر و حاکم سے ڈرا کرتے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیسا زمانہ ہے اس زمانے میں مجھ جیسے شخص کو کوفے کا فقیہ سمجھا جاتا ہے۔

عطا سلمیؒ بجلی کی چمک گرج کے وقت خوف سے لرز اٹھتے اور اس طرح اپنا پیٹ پکڑ لیتے جیسے دردِ زہ میں مبتلا عورت پیٹتی ہے اور فرماتے کہ یہ مصیبت تم پر میری وجہ سے نازل ہوئی ہے، کاش عطاء مر جاتا تو لوگ سکون کا سانس لیتے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

(امیر الاسلام ہاشمی کے کلام سے جنوبی افریقہ کے صاحبزادہ سعود کا انتخاب)

دہقان تو مر کھپ گیا اب کس کو جگاؤں　　ملتا ہے کہاں خوشۂ گندم کہ جلاؤں
شاہیں کا ہے گنبدِ شاہی پہ بسیرا　　کنجشکِ فرومایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

ہر داڑھی میں تنکا ہے، ہر اِک آنکھ میں شہتیر　　مؤمن کی نگاہوں سے بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلوار سے خالی ہیں نیامیں　　اب ذوقِ یقیں سے نہیں کٹتی کوئی زنجیر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

شاہیں کا جہاں آج تو کرگس کا جہاں ہے　　ملتی ہوئی ملا سے مجاہد کی اذاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور　　شاہیں میں مگر طاقت پرواز کہاں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مرمر کی سلوں سے کوئی بیزار نہیں ہے　　رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر ایک شخص مسلمان ہے لیکن　　دیکھو تو کہیں نام کو کردار نہیں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بیبا کی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مؤمن　　مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مؤمن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو　　وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مؤمن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

پیدا کبھی ہوتی تھی سحر جس کی اذاں سے　　اُس بندۂ مؤمن کو میں اب لاؤں کہاں سے
وہ سجدہ زمیں جس سے لرز جاتی تھی یارو!　　اِک بار تھا، ہم چھٹ گئے اُس بارِ گراں سے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے ذاتوں کے نسب کے اُگتے ہیں تہہِ سایۂ گل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اِس کا نہیں کوئی اُس کے تنِ خستہ پہ تواب دانت ہیں سب کے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
محمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے جمہور سے سلطانیٔ جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے یہاں پر جو خودی کا مر، مرکے جئے ہے کبھی جی جی کے مرے ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
دیکھو تو ذرا محلوں کے پردوں کو اُٹھاکر شمشیر و سناں رکھی ہے طاقوں پہ سجاکر
آتے ہیں نظر مسندِ شاہی پہ رنگیلے تقدیرِ اُمم سو گئی طاؤس پہ آکر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
مکاری و عیاری و غداری و ہیجان اب بنتا ہے اِن چار عناصر سے مسلمان
قاری اُسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو اُس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
کردار کا گفتار کا اعمال کا مؤمن قائل نہیں ایسے کسی جنجال کا مؤمن
سرحد کا ہے مؤمن کوئی بنگال کا مؤمن ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مؤمن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆☆☆☆☆

فضائلِ رمضان: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی رات میں ایک مؤمن بندہ نماز پڑھتا ہے جس نماز کے ہر سجدہ پر اُس کے لئے ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اُس کے لئے جنت میں سرخ یاقوت کا ایک اتنا بڑا گھر بنایا جاتا ہے جس گھر کے ساٹھ ہزار دروازے ہوتے ہیں اور ہر دروازے پر سونے کا ایک محل ہوتا ہے (یعنی گویا کہ ساٹھ ہزار محل بنائے جاتے ہیں)۔ اور پورے ماہِ رمضان میں کسی بھی وقت خواہ رات ہو خواہ دن ہو اگر سجدہ کریں تو اُس کے لئے اتنا بڑا درخت ملتا ہے جس کے سائے میں سوار سوسال تک دوڑتا رہے۔ (بکھرے موتی از مولانا محمد یونس پالن پوری)

پیشِ لفظ،نوائے درویش

طربآشنائے خروش ہوتو نوائے محرمِ گوش ہو وہ سرود کیا جو چھپا ہوا ہے سکوتِ پردۂ ساز میں

بندہ کے شیخ ومربّی کے اصلاحی بیانات نوائے درویش کے نام سے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ کچھ بیانات تو حضرت حاجی شیر حسن صاحب کی بیاض سے لئے گئے ہیں۔ اس بیاض میں حاجی شیر حسن صاحب نے حضرت کے بیانات دوران بیان لکھے ہیں۔ ان کی زبان درست کرنے کے لئے ،اور عبارت کو مربوط بنانے کے لیے پوری محنت کرنا پڑی ہے۔ کچھ بیانات کیسٹوں سے لیے گئے ہیں جنہیں بہت زیادہ محنت کر کے ثاقب علی خان صاحب نے کیسٹوں سے سن کر لکھا ہے۔ بندہ چونکہ غیر معروف آدمی ہے، اس لئے تقریظ

حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے لکھوائی ۔ حضرت موصوف سلسلہ ء نقشبندیہ کے کامل شیخ ہیں ۔ اب حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی برکات اور مفتی صاحب کی توجہات یکجا کتاب کی ہم نوا ہوگئی ہیں ۔ امید ہے پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہوگا ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.